ارم صبا

ریسرچ اسکالر

شعبۂ اردو، وفاقی اردو یونی ورسٹی برائے فنون، سائنس و ٹیکنالوجی، اسلام آباد کیمپس

سرسیّد احمد خاں اردو ادب میں جدیدیت کا نقشِ اوّل

ABSTRACT

Sir Syed Ahmed Khan: Early Footprints of Modernism in Urdu literature, A critical Analysis
By Irum Saba, Research scholar, Department of Urdu, Federal Urdu University of Arts, Science & Technology, Islamabad Campus.

Sir Syed Ahmed Khan is supposed one of most influential personalities in the history of Urdu literature due to his impacts, efforts and sparkling views about education, science, life, religion and society. But his writings and approach helped unleashed an era of new and different literary works. He used Language and style which enabled Urdu to produce different kind of writings and various kind of subjects. He had been made several efforts to revolutionize Urdu prose and tried to make Urdu a scientific language as well.

This article discusses about the services of Sir Syes Ahmed Khan while giving special attention to his modern and scientific views.

سرسید احمد خاں مصلح قوم اور اردو ادب کے عظیم محسن ہیں۔سرسید کی سیاسی، سماجی، مذہبی،تہذیبی اور تعلیمی کوششوں کے نتیجے میں اردو شعر و ادب کو ایک نئی جہت ملی۔اس نئی جہت کی تبلیغ و ترسیل اور تشہیر ادبی و تہذیبی رسائل کے ذریعے تندہی سے کی گئی۔محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس، سائنٹفک سوسائٹی،ایم۔اے۔او کالج اور رسالہ تہذیب الاخلاق کے علم برداروں نے تخلیق اور تحریر و تصنیف کی سطح پر اردو زبان و ادب کو ترقی دی۔سرسید دورِ جدید کے تقاضوں سے آشنا تھے وہ جانتے تھے کہ علومِ جدیدہ سے واقفیت مسلمانانِ ہند کی اہم ضرورت ہے۔شعر و ادب میں بھی سرسید خیالی طوطا مینا کی کہانی اور عاشق و معشوق کے قصے بیان کرنے کی بجائے مقصدی اور تعمیری ادب کی تخلیق کے قائل تھے۔اس مقصد کے لیے سرسید نے اپنے رفقا کو مغربی ادب سے واقفیت کی طرف مائل کیا اور اردو ادب کو جدید تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی۔سرسید نے علی گڑھ میں ایک کالج ہی قائم نہیں کیا بلکہ اس وقت کی علمی و ادبی سرگرمیوں کے لیے ایک حلقہ پیدا کیا۔ملک کے بہترین دماغ اس حلقے میں شامل تھے۔تہذیب الاخلاق کی جاندار نثر،علمی و ثقافتی مسائل پر بحث مباحثے،مولوی نذیر احمد کا ناول اور لیکچروں کے

نمونے، حالی کی شاعری وتنقیدی بصیرت، محسن الملک، وقار الملک، چراغ علی، مولوی ذکاء اللہ کے علمی و ادبی کارنامے، مخالفتوں کے باوجود شبلی کے شاہکار اور سب سے بڑھ کر ترقی پذیر علمی و ادبی فضا جو ان سب بزرگوں کے کارناموں سے وجود میں آئی، یہ تمام باتیں نمایاں کمالات کی حیثیت سے سرسید اور تحریک علی گڑھ کے دفترِ عمل میں شمار ہوتی ہیں۔

سرسید سے قبل بھی اردو ادب کی اصناف نہ صرف مسلسل تبدیلی سے دوچار دکھائی دیتی ہیں بلکہ ہر دور میں جدیدیت کا رجحان بھی نظر آتا ہے۔ سرسید کی خصوصیت یہ ہے کہ انھوں نے خود بھی اور ان کی تحریک سے وابستہ ان کے رفقا نے اردو ادب کو جدید مغربی اصناف سے متعارف کروایا۔ سرسید ہی کے پلیٹ فارم سے اردو میں سیرت نگاری، تاریخ نویسی، سوانح، ناول نگاری، مضمون نویسی اور ادبی تنقید کی ابتدا ہوئی اور شاعری اپنے مروجہ دائرہ کار سے باہر آئی۔ اردو ادب پر سرسید کے اثرات سے انکار ممکن نہیں۔ سرسید سے قبل ہندوستان میں شاعری کو چھوڑ کر ادبیات کا دائرہ مذہب، تصوف، تاریخ اور تذکرہ نویسی تک محدود تھا۔

۱۸۵۷ء کے بعد مسلمان ہر شعبہ زندگی میں زوال کا شکار تھے۔ نئے چیلنجز سے نپٹنے کے لیے ان کے پاس کوئی حل موجود نہ تھا۔ فارسی زبان کا مستقبل تاریک تھا اور اردو میں غزل گو شعراء کے دواوین کے علاوہ کوئی قابلِ ذکر لٹریچر موجود نہ تھا۔ نثر میں گنتی کی چند کتابیں تھیں اور ابھی نثر میں علمی مسائل پیش کرنے کی صلاحیت نہیں آئی تھی۔ قوم کی اصلاح کے لیے ضروری تھا کہ ایک نئی زبان تیار ہو جو نیا لٹریچر تیار کرے جو شاندار ماضی کی تصویر مسلمانوں کو دکھانے کے ساتھ ساتھ موجودہ زبوں حالی میں ان کی ہمت افزائی کرے۔ جدید شاعری اور شاعرانہ تنقید کے نئے اصول وضع ہوں۔ جدید نثر لکھی جائے جو زورِ انشاء دکھانے کے نہیں بلکہ عام اور روزمرہ کے مسائل و واقعات کا احاطہ کرے۔ سرسید اور تحریک علی گڑھ نے یہ فریضہ سنبھالا۔ اردو ادب کے عناصرِ خمسہ میں سے چار حالی، شبلی، نذیر احمد اور سرسید احمد خاں تحریک علی گڑھ کے روحِ رواں تھے۔ سرسید نے اردو میں مضمون نگاری کی ابتدا کی تو ڈپٹی نذیر احمد نے ناول نگاری کی صنف کو متعارف کروایا۔ حالی نے سوانح نگاری سے اردو ادب کا ناطہ جوڑا اور مقدمہ شعر و شاعری کی صورت میں جدید تنقید کے اصول وضع کیے۔ شبلی نے سیرت نگاری جیسی صنف کا تحفہ اردو ادب کو دیا۔ حالی اور آزاد نے جدید نظم میں نت نئے تجربات کیے۔ یہ زمانہ اردو ادب کا شاندار عہد ہے۔

سرسید احمد خاں نے نہ صرف اس مشکل وقت میں مسلمانوں کی ڈوبتی نیّا کو سنبھالا دینے کی کوشش کی بلکہ اس زوال پذیر قوم کی زبان کو غیر معمولی ترقی دے کر اردو ادب کے ارتقاء میں بھی حصہ لیا اور اردو نثر کو اجتماعی مقاصد سے روشناس کیا۔ سرسید نے اردو نثر کو سہل اور سلیس بنا کر عام اجتماعی زندگی کا ترجمان اور علمی مطالب کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اس سے قبل فورٹ ولیم کالج کے ادبا نے بھی اردو نثر کے ارتقا میں اہم کردار ادا کیا اور اردو نثر کو الفاظ پرستی سے نجات دلا کر اس کو بے تکلف اظہارِ خیال کا ذریعہ بنایا۔ مگر اس بات سے بھی انکار ممکن نہیں کہ فورٹ ولیم کالج کی نثر کی زبان تو سادہ تھی لیکن اس نثر کو صرف قصوں سے سروکار تھا عام آدمی کی زندگی، اس کے مسائل، اس کی اصلاح اس نثر کا موضوع نہ بن

سکی۔مرزا غالب نے بھی نثر کے میدان میں طبع آزمائی کی اور سرسید کی نثر پر مرزا کے اسلوب کے اثرات دکھائی دیتے ہیں۔بقول سید عبداللہ:

> مرزا غالب نے نثرِ اردو کو خلوص کا راستہ دکھایا مگر علمی حقائق اور ٹھوس مسائلِ زندگی کی حد تک وہ بھی نہیں پہنچے۔البتہ ان کی نثر نے سرسید احمد خاں کی انشاء کے لیے بیان و اظہار کا راستہ ضرور صاف کیا چنانچہ اس کے اسلوبِ تحریر پر مرزا غالب کے اسلوب کا نمایاں اثر دکھائی دیتا ہے۔خصوصاً مکالمہ نگاری میں جس کے اچھے اچھے نمونے غالب کی طرح سرسید کے مضامین میں بھی دستیاب ہوتے ہیں۔(۱)

۱۸۵۷ء کے بعد کے حالات ہرگز اس قابل نہ تھے کہ مسلمان ادب تخلیق کرنا تو دور کی بات آزادی سے سانس بھی لے سکیں۔ان حالات میں دیکھا جائے تو ایک زوال پذیر قوم کی زبان میں ادب تخلیق کرنا اور اپنے رفقا کو اس کام کی طرف مائل کرنا،کسی عام شخص کے لیے یہ مرحلہ طے کرنا دور کی بات اس بارے میں سوچنا بھی ناممکن تھا۔یہ سرسید جیسی اولوالعزم شخصیت کا حوصلہ اور محنت کا نتیجہ ہے تھا کہ انھوں نے اس کڑے وقت میں نہ صرف انگریزوں کے دلوں سے مسلمانوں کی نفرت ختم کرنے کی کوششیں کیں بلکہ اپنے رفقا کے ساتھ مل کر ایسا ادب تخلیق کیا جس نے ایک طرف تو اس کڑے وقت میں مسلمانوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا اور دوسری طرف اردو ادب کو ایسی بنیادیں مہیا کیں کہ آئندہ آنے والی نسلیں اس پر مضبوط عمارت قائم کرسکیں۔سرسید نے اردو نثر کی حدود کو وسیع تر کردیا۔سرسید اور ان کے رفقا نے اردو نثر کے موضوعات کو وسعت دی وہ نثر جو اس سے قبل مافوق الفطرت کہانیوں تک محدود تھی اس نثر کے دامن نے مذہب، تاریخ،سیاست اور تعلیم جیسے موضوعات کو جگہ دی۔سرسید اور ان کے رفقا کے طفیل اردو میں توضیحی،استدلالی اور وصفیہ نثر کے علاوہ اعلیٰ درجے کی مقالہ نگاری،صحیفہ نگاری اور قصہ نویسی پیدا ہوکر پروان چڑھی۔(۲)

سرسید کے زمانے کے حالات و واقعات کو دیکھتے ہوئے یہ توقع کرنا کہ اس دور میں اردو جیسی نوعمر زبان میں بے عیب اور مکمل ادب تخلیق ہوگا، بے محل اور بے جا ہے۔اس دور میں تخلیق ہونے والا ادب اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجود آئندہ کے لیے ایک ایسی بنیاد ثابت ہوا جس پر ادب کی مضبوط عمارت آج قائم ہے۔اردو میں سوانح نگاری کے فن کو رواج دینے کا سہرا حالی کے سر ہے۔اردو میں باقاعدہ سوانح نگاری کا آغاز مغربی خیالات کا نتیجہ ہے۔اور اس کے علم بردار حالی اور شبلی سرسید کی فوج کے سپاہی ہیں۔حالی کی لکھی ہوئی سوانح عمریوں میں جو روح کام کررہی ہے وہ سرسید ہی کی پیدا کردہ ہے۔(۳) حالی کو طویل عرصے تک سرسید کی دوستی کا شرف حاصل رہا،لہٰذا ان کے اسلوبِ بیان پر سرسید کے اثرات واضح ہیں۔اردو میں اس صنف کی باقاعدہ داغ بیل سرسید کے جدید خیالات کا نتیجہ تھی۔یہ دو مصنف (حالی اور شبلی) اپنی کمزوریوں کے باوجود اردو سوانح نگاری کے امام ہیں۔(۴)

سرسید کا دور اردو ادب کی ترقی کا ابتدائی زمانہ تھا۔اس دور میں کسی ترقی یافتہ اور مکمل صنفِ ادب کی توقع نہیں کی جاسکتی۔اردو کی ادبی تنقید بھی اس دور میں کسی حد تک ناپختہ تھی۔تاہم کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہی زمانہ تھا جس میں فن کے شعور اور اصولِ تنقید کے صحیح ادراک کا آغاز ہوا۔[۵] سرسید نے بذاتِ خود کوئی تنقیدی کتاب نہیں لکھی لیکن ان کے خیالات نے تنقیدی رجحان پر گہرا اثر ڈالا۔مقدمہ شعر وشاعری حالی کی اردو تنقید پر لکھی گئی کتاب ہے۔اس کتاب میں شعر وادب کی ماہیت کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔مقدمہ شعر وشاعری سرسید کے خیالات کی تفصیلی تفسیر ہے۔[۶] سرسید ادب کے جمالیاتی پہلو کی بجائے ادب کو زندگی کے مقاصد سے جوڑتے ہیں اور ادب کو محض تفریح کا ذریعہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ اس سے قومی اور اجتماعی کام لینے پر یقین رکھتے تھے۔اس لیے سرسید اردو کے غالباً سب سے پہلے ترقی پسند ادیب اور نقاد تھے۔[۷] حالی نے فنِ تنقید پر انگریزی اور عربی سے مواد لے کر ایک جگہ جمع کیا جو بعد میں آنے والے ناقدین کے لیے شمع ہدایت ثابت ہوا۔حالی نے اس کتاب کے ذریعے اردو شعر وادب میں ایک نئی لہر پیدا کرنے کی کوشش کی۔یہ سب سرسید کی صحبت کا ہی نتیجہ تھا:

> سرسید کی تحریک اور ان کے رسالہ ''تہذیب الاخلاق'' نے اس ادبی انقلاب میں اور بھی زیادہ تنقیدی تلخی اور تیزی کی کیفیت پیدا کر دی۔اور پرانے رجحانات کے خلاف بغاوت کا پیغام دیا۔کیوں کہ اس وقت ہمارے ادب میں تھک کر بیٹھ جانے والی جو کیفیت تھی اور اس میں جو غلط معیار قائم ہو گئے تھے ان کا وجود ہماری سماجی زندگی کے منافی تھا۔اس پس منظر میں حالی نے مقدمہ شعر وشاعری مرتب کیا۔[۸]

سرسید اور ان کے رفقاء نے ٹھوس علمی مسائل (مثلاً ریاضی اور طبیعیات) کی طرف بھی توجہ دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سرسید اور ان کے جماعت کے لوگوں نے اردو کو جو علمی اعتبار سے اس وقت تک ایک بے مایہ زبان تھی تھوڑے عرصے میں اسے اعلیٰ علمی جواہر ریزوں سے مالا مال کر دیا۔مغربی علوم کی کتب کے اردو زبان میں تراجم بھی سرسید کا ایک اہم کارنامہ ہے۔صحافت کے میدان میں بھی سرسید کو کامیابی نصیب ہوئی۔اخبارات کی زبان عمدہ اور صاف ہوتی تھی۔بہت کم اخبارات ایسے ہوں گے جن میں ہر ہفتہ کوئی نہ کوئی آرٹیکل عمدہ سلیس عبارت میں کسی نہ کسی مضمون پر نہ لکھا جاتا ہو۔سرسید نے صحافت کا رشتہ عام آدمی کی زندگی سے جوڑنے کی کوشش کی۔''علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ'' اور ''تہذیب الاخلاق'' نے صحافت میں علمی متانت، فکر وفلسفہ اور سیاست ومعاشرت میں جدید تصورات کو جگہ دی۔''تہذیب الاخلاق'' کا پرچہ قوم کی اصلاح کے لیے نکالا اور اردو انشا پردازی کو اس رتبے پر پہنچا دیا جس سے آگے اب تک ایک قدم بڑھنا بھی ممکن نہیں۔[۹] ''تہذیب الاخلاق'' نے اردو نثر نگاری کے لیے سادہ اور سیدھا راستہ کھول دیا۔سرسید کے اخبارات کے زیرِ اثر صحافت میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔دوسرے معاصر اخبارات نے بھی قومی اور سیاسی رجحانات کو بے خوفی سے پیش کرنا شروع کیا۔[۱۰] اردو نثر میں مضمون نگاری کی ابتدا اور فروغ کا سہرا ''تہذیب الاخلاق'' اور سرسید کے سر جاتا ہے۔اس سے قبل سیاسی، معاشی، معاشرتی وسماجی مسائل پر سنجیدہ

مضامین لکھنے کا رواج نہ تھا۔سرسید خود اس حوالے سے لکھتے ہیں:

> مضمون نگاری دوسری چیز ہے جو آج تک اردو زبان میں نہ تھی۔ یہ اسی زمانے میں پیدا ہوئی اور ابھی بچپن کی حالت میں ہے۔(۱۱)

سرسید نے جہاں مذہبی، اخلاقی اور سیاسی موضوعات پر قلم اٹھایا وہاں تعلیم، سائنس، انگریز دوستی، مغربی تہذیب کی اچھائیاں اور عام مسلمانوں کے حالات جیسے موضوعات کو نظر انداز نہیں کیا۔ان مضامین نے نہ صرف سرسید کی تحریک کے مفادات کو آگے بڑھایا بلکہ اردو نثر کا وقار بھی بلند کیا:

> نئے اسالیب کو متعارف کرانے اور قابلِ قبول بنانے میں سرسید اور ان کے رفقا کا حصہ ناقابلِ فراموش ہے۔ بہ قول شبلی سرسید ہی کی بدولت اردو اس قابل ہوئی کہ عشق و عاشقی کے دائروں سے نکل کر ملکی، سیاسی، اخلاقی، تاریخی ہر قسم کے مضامین اس زورِ اثر وسعت و جامعیت، سادگی و صفائی سے ادا کر سکتی ہے کہ خود اس کے استاد یعنی فارسی میں آج تک یہ بات نہیں۔(۱۲)

جہاں تک شاعری کا تعلق ہے تو سرسید سے قبل کی اردو شاعری کے موضوعات زیادہ تر عشق و محبت، گل و بلبل اور ہجر و وصال تک محدود تھے۔سرسید نے اردو کی روایتی اصناف اور ان کے موضوعات پر تنقید کرتے ہوئے اردو شاعری میں وقت کے تقاضوں کے مطابق نئی اصناف کو فروغ دینے کی وکالت کی۔حالی و شبلی سرسید کی اس سوچ کو فروغ دینے میں سرگرم عمل نظر آئے۔سرسید کے دور سے پہلے کی شاعری اس منظم اجتماعی اور معاشرتی احساس کی حامل نہیں تھی جو حالی و شبلی کی نظموں کا خاصہ ہے۔سرسید نے ایک اصلاحی تحریک کے ذریعے ادب کی معاشرتی اور تہذیبی اہمیت کو سامنے رکھ کر اردو میں مقصدی شعر و ادب کی تخلیق کی ایسی روایت قائم کی کہ اردو شاعری حیات و کائنات کے مسائل کی ترجمانی کے قابل ہوگئی۔''انجمنِ پنجاب'' کی نظم نگاری کی تحریک کو سرسید کے افادی نقطہ نظر نے اور واضح کیا۔(۱۳) سرسید نے اپنے تصورات میں نیچر کو جو اہمیت دی ہے اسی کے اثرات انجمنِ پنجاب کی نیچرل شاعری پر نظر آتے ہیں۔

شبلی کی قومی و سیاسی شاعری سرسید کی قومی روح کی تربیت یافتہ ہے۔شاعری کے متعلق سرسید کا یہ خیال تھا کہ شاعری کے خیالات خیالی نہ ہوں حقیقت سے قریب ہوں۔ خیالات کو اس صورت میں پیش کیا گیا ہو کہ خارج کی چیزیں بھی داخلی معلوم ہوں۔(۱۴) انھی کے خیالات کے زیرِ اثر شاعری میں سیاسی، اخلاقی و سماجی موضوعات پر شعر کہنے کا رجحان پیدا ہوا۔ انھوں نے اپنے رفقا کو انگریزی شاعری سے استفادے کا مشورہ بھی دیا اور شاعری میں سادگی، حقیقت اور پاکیزگی پر زور دیا۔ سرسید نے ہی حالی سے مسدس کی فرمائش کی۔''مسدس مد و جزرِ اسلام'' سرسید کے خوابِ شعر کی علمی تعبیر ہے۔(۱۵) ڈپٹی نذیر احمد نے بھی سرسید کے افکار کو وسعت دی اور مسائل کو قصہ کہانی کی صورت میں بیان کر کے اردو ادب میں ناول نگاری کی بنیاد ڈالی۔

اردو ادب پر سرسید کے اثرات سے انکار ممکن نہیں۔ یہ اثرات اسلوبِ بیان پر بھی ہیں موضوعات اور روحِ معانی پر بھی۔ سرسید اور ان کے رفقا نے نہ صرف اردو زبان کو وسعت عطا کی بلکہ اس کے موضوعات کا دائرہ بھی وسیع کیا۔ سرسید سے قبل کے اردو سرمائے پر نظر ڈالیں تو اندازہ ہوتا ہے اس سے قبل کا اردو ادب کا دائرہ محدود اور دامن تنگ تھا۔ سرسید کے دور کی تصانیف بالخصوص سرسید ہی کی تصانیف کو اگر دیکھا جائے تو مضامین اور موضوعات کا تنوع ہی نہیں اندازِ فکر بھی جدا اور نیا ہے۔ اندازِ بیان اس سے قبل کے ادب سے کس قدر مختلف ہے اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ اس ادبی سرمائے کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ادب ہر لحاظ سے اس سے قبل کے ادب سے مختلف اور جدید ہے۔ ''آثار الصنادید'' میں دہلی کی مشہور شخصیات، قدیم تاریخی عمارات اور مقامات کا حال بیان کیا گیا ہے۔ پہلے یہ کتاب قدیم، مقفّٰی عبارت میں تھی بعد ازاں سرسید نے اسے سلیس اردو میں لکھا۔ ''اسباب بغاوتِ ہند'' میں ۱۸۵۷ء کے حالات کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا اور قرآن مجید کی تفسیر کا بھی آغاز کیا لیکن عمر نے وفا نہ کی۔ اس کے علاوہ کئی موضوعات پر کتب اور مضامین جو تہذیب الاخلاق میں شائع ہوئے۔ سرسید نے ''مسافرانِ لندن'' کے نام سے سفر نامہ بھی تحریر کیا۔

سرسید کے مجموعی فکر و ادب کی عمارت جن بنیادوں پر قائم ہے ان میں مادیت، اجتماعیت، عقلیت اور حقیقت نگاری شامل ہیں۔ ان کی مجموعی فکر و ادب کی عمارت ان ہی بنیادوں پر قائم ہے اور یہی جدید رجحانات اردو ادب میں سرسید کا فیض سمجھے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ سرسید کے ادب کے متعلق رقم طراز ہیں:

> سرسید کے ادبی سرمائے کو جو چیزیں مستقل حیثیت سے امتیاز اور انفرادیت بخشتی ہیں ان کو مجموعی لحاظ سے تین چار جملوں میں یوں سمیٹا جا سکتا ہے کہ ہمارے ملک میں سر سید ہی وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے فکر و ادب میں روایات کی تقلید سے ہٹ کر آزادی رائے اور آزادی خیال کی رسم جاری کی اور ایک ایسے مکتبِ فکر کی بنیاد رکھی جس کے عقائد میں عقل، نیچر، تہذیب اور مادی ترقی کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ کہنے کو تو یہ چند معمولی الفاظ ہیں لیکن انھی چند سادہ لفظوں میں اس زمانے کے مشرق و مغرب کی اکثر و بیشتر ذہنی آویزشوں اور کشمکش کی طویل سرگزشتیں پوشیدہ ہیں۔ انھی چند الفاظ میں انیسویں اور بیسویں صدی کے ہندوستان کی سماجی اور ادبی تاریخ کے بڑے بڑے عقیدوں اور بڑے بڑے نعروں کی گونج سنائی دیتی ہے۔(۱۶)

سرسید نے اردو ادب میں جدیدیت کا رجحان متعارف کروایا۔ سرسید کے فکری و ادبی رجحان سے اس دور کا سارا ادب ہی متاثر ہوا۔ جدیدیت کے اسی رجحان سے وہ انقلابی رجحانات پیدا ہوئے جن پر بعد میں آنے والے ادب کی بنیادیں استوار ہوئیں۔ سرسید نے ادب میں آزادانہ سوچنے اور اور سائنسی نقطۂ نظر سے دیکھنے اور پرکھنے کا میلان پیدا کیا۔ انھوں نے

فکر و ادب میں جو راستہ اختیار کیا اس کو نہ تو خالصتاً رومانی کہا جا سکتا ہے اور نہ خالصتاً کلاسیکی۔ سرسید مصلح تھے انقلابی نہیں۔ ان کے ادب میں حقیقت بہت زیادہ ہے اور جذبات پر عقل کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ انھوں نے ثابت کیا کہ ادب بے کاروں کا مشغلہ نہیں بلکہ عین زندگی ہے۔

اردو میں مضمون نگاری (Essay Writting) کی ابتدا سرسید نے ہی کی۔ تہذیب الاخلاق میں لکھے گئے سرسید کے مضامین بعد میں ترقی پا کر ادبی مضامین کی صورت میں متشکل ہوئے۔ جدید مغربی خیالات کو قبول کرنے کے لیے ذہنوں کو آمادہ کرنا سرسید کا سب سے اہم کارنامہ ہے۔ جدید زمانہ میں کسی فردِ واحد نے اردو ادب اور عام زندگی کو اتنا متاثر نہیں کیا جتنا تنہا سرسید نے۔ [۱۷] اردو ادب میں سوانح عمری کا فن سرسید کی تحریک کی ہی عطا ہے۔ حالی کی ادبی سوانح عمریاں اور شبلی کی سوانح عمریاں سرسید کی جدیدیت کا ہی نتیجہ ہیں۔ خود سرسید نے ''آثار الصنادید'' (دوسرا ایڈیشن)، ''آئینِ اکبری'' اور ''تزکِ جہانگیری'' کی ایڈیٹنگ میں مغربی اصولِ تحقیق سے استفادہ کیا۔ [۱۸]

سرسید نے اپنے رسالے ''تہذیب الاخلاق'' کے ذریعے اردو زبان و ادب کی موثر خدمات سر انجام دیں۔ زبان کو نکھارنے اور سنوارنے کے ساتھ ساتھ انھوں نے اردو ادب کی مختلف اصناف کو وقت کے جدید تقاضوں کے زیرِ اثر مناسب تبدیل کیا اور نئی اصناف کو اردو میں متعارف و رائج بھی کروایا۔ سرسید نے اردو زبان کو بھی جدیدیت سے روشناس کرایا۔ اردو میں انگریزی کے الفاظ استعمال کیے کلاسیکی دور کی اردو زبان جس میں فارسی کے الفاظ کی بھی کثرت تھی اس کی جگہ اب ادب میں سادگیِ زبان کی طرف توجہ دی جانے لگی اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ ادب چوں کہ عوام کے لیے تخلیق ہوتا ہے تو زبان بھی وہ ہونی چاہیے جسے عوام آسانی سے سمجھ سکیں۔ سرسید خود اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

> جہاں تک ہم سے ہو سکا ہم نے اردو زبان کے علم و ادب کی ترقی میں اپنے ان ناچیز پرچوں کے ذریعے کوشش کی۔ مضمون کے ادا کا ایک سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا... جہاں تک ہو سکا سادگی عبارت کی طرف توجہ کی۔ اس میں کوشش کی کہ جو کچھ لطف ہو وہ صرف مضمون کے ادا میں ہو جو اپنے دل میں ہو وہی دوسرے کے دل میں پڑے تاکہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے۔ [۱۹]

یہ بات کہنے میں کوئی عار نہیں کہ بعد میں (یعنی تیس کی دہائی میں) ترقی پسند مصنّفین کی صورت میں آنے والے ''ادب برائے زندگی'' کے نظریے کی ابتدائی داغ بیل سرسید نے ہی استوار کی۔ [۲۰] سرسید کی بہت بڑی ادبی خدمت یہ ہے کہ انھوں نے اردو ادب کو علمی و ادبی اعتبار بخشا۔ خصوصاً اردو نثر کو انھوں نے سنوارا اور پختہ رنگ و روپ بخش کر علمی معیار عطا کیا اور اردو نثر ہر طرح کے مضامین کے اظہار پر قادر ہو گئی۔ انھوں نے اردو زبان کو سنجیدہ علمی خیالات کا ذریعہ بنایا۔ سرسید نے اردو ادب کو مغرب پرستی یا مغربی علوم سے استفادے کی جو راہ دکھائی اس نے قریب قریب پورے ادب کو اپنی لپیٹ میں لے

لیا۔ رومانوی ادیبوں کی مغرب پرستی اور اس کے زیرِ اثر افسانہ نگاری اور انشا پردازی علی گڑھ تحریک کے اثرات کا نتیجہ ہے جس سے ترقی پسند تحریک نے بھی فائدہ اٹھایا۔[۲۱]

سرسید احمد خاں کا دور ایسا دور تھا کہ جب یورپی صنعتی انقلاب اور مغربی تہذیبیں ہندوستان پر اپنے اثرات چھوڑ رہی تھیں۔ تمام تبدیلیوں کا اثر زبان و ادب پر بھی پڑا۔ سرسید ہندوستان کی ایسی شخصیات میں سے تھی جنھوں نے انگریزوں کی سیاست کو بھانپ لیا تھا۔ وہ وقت کے تقاضوں کو سمجھ رہے تھے۔ انھیں اس بات کا احساس ہو چکا تھا کہ اگر مسلمانوں نے جدید میلانات اور جدید اقدار کو نہ اپنایا تو وہ زندگی کے ہر شعبے میں پیچھے رہ جائیں گے۔ سرسید نے ادب کو زندگی کا ترجمان بنانے کی طرف توجہ دی۔ اس وقت کے ادب میں یہ صلاحیت موجود نہ تھی کہ وہ زندگی کے نت نئے مسائل کا احاطہ کر سکے۔ سرسید نے لندن سے واپسی پر ''اسپیکٹیٹر'' اور ''ٹیٹلر'' کی طرز پر ''تہذیب الاخلاق'' کا اجرا کیا۔ ''تہذیب الاخلاق'' کے ذریعے نہ صرف اردو صحافت کو فروغ ملا بلکہ اردو نثر کے دامن میں وسعت آئی اور اردو ادب کا رجحان جدیدیت کی طرف ہوا۔ سرسید نے جنگِ آزادی کے بعد اردو ادب کو ایک نئی زندگی عطا کی۔ ان کے ہاں ادب کا گہرا شعور ملتا ہے۔ فکر کی گہرائی اور وقت اور حالات پر کڑی نظر اور ہواؤں کے رخ کو دیکھتے ہوئے سرسید نے جدیدیت کی جو حکمتِ عملی اختیار کی اس کے اثرات ہمیں آج تک اردو صحافت اور اردو زبان و ادب پر دکھائی دیتے ہیں۔ غرض کہا جا سکتا ہے کہ سرسید کے بغیر اردو ادب کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی۔ سرسید نے ادیبوں کی ایک ایسی جماعت بھی بنائی جن کی جدت پسندی نے اردو کو ہمہ جہت ترقی دی۔[۲۲] سرسید جدیدیت کے علم بردار تھے۔ تاریخ، سوانح نگاری، سیرت نگاری، شاعری اور نثر ہر ایک پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ سرسید نے جدید مغربی تقاضوں سے آگہی رکھتے ہوئے ادب کو جدید خطوط پر استوار کیا اور ادب کو تنقیدِ حیات بنا دیا۔

حواشی

(۱) ڈاکٹر سید عبداللہ، سرسید اور ان کے نامور رفقا کی اردو نثر کا فنی و فکری جائزہ، (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۶ء)، ص ۱۳

(۲) ایضاً، ص ۱۳

(۳) ایضاً، ص ۱۰۱

(۴) ڈاکٹر احمد عبدالرحیم، اردو نثر کا دہلوی دبستان، (حیدر آباد: شالیمار پبلی کیشنز، ۱۹۷۵ء)، ص ۴۰۷

(۵) ڈاکٹر سید عبداللہ، سرسید اور ان کے نامور رفقا کی اردو نثر کا فنی و فکری جائزہ، محولۂ بالا، ص ۲۰۰

(۶) ڈاکٹر منظر اعظمی، اردو ادب کے ارتقا میں ادبی تحریکوں اور رجحانات کا حصّہ، (لکھنؤ: اُتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۹۶ء)، ص ۲۱۸

(۷) ڈاکٹر سید عبداللہ، سرسید اور ان کے نامور رفقا کی اردو نثر کا فنی و فکری جائزہ، محولۂ بالا، ص ۲۰۲

(۸) ڈاکٹر احمد عبدالرحیم، اردو نثر کا دہلوی دبستان، محولۂ بالا، ص ۴۷۱

(۹) مولانا شبلی نعمانی، سرسید اور اردو لٹریچر، مشمولہ انتخابِ مضامینِ شبلی، (نئی دہلی: مکتبۂ جامعہ، ۲۰۱۱ء) ص ۳۴
(۱۰) ڈاکٹر منظر اعظمی، اردو ادب کے ارتقا میں ادبی تحریکوں اور رجحانات کا حصّہ، محولۂ بالا ص ۲۳۹
(۱۱) مولانا محمد اسمٰعیل پانی پتی (مرتب)، مقالاتِ سرسید، حصہ دہم، (لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۹۳ء) ص ۱۱۵
(۱۲) ڈاکٹر ساجد امجد، اردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات، (لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء) ص ۳۸۶
(۱۳) ڈاکٹر منظر اعظمی، اردو ادب کے ارتقا میں ادبی تحریکوں اور رجحانات کا حصّہ، محولۂ بالا ص ۲۴۱
(۱۴) ایضاً، ص ۲۱۷
(۱۵) ایضاً، ص ۲۱۸
(۱۶) ڈاکٹر سید عبداللہ، سرسید اور ان کے نامور رفقا کی اردو نثر کا فنی و فکری جائزہ، محولۂ بالا ص ۲۷۱
(۱۷) ایضاً، ص ۳۰۵
(۱۸) ڈاکٹر منظر اعظمی، اردو ادب کے ارتقا میں ادبی تحریکوں اور رجحانات کا حصّہ، محولۂ بالا ص ۲۴۷
(۱۹) مولانا محمد اسمٰعیل، پانی پتی (مرتب)، مقالاتِ سرسید، محولۂ بالا ص ۱۱۴
(۲۰) پروفیسر افتخار عالم خان، سرسید اور جدیدیت، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۳ء) ص ۲۰۱
(۲۱) ڈاکٹر منظر اعظمی، اردو ادب کے ارتقا میں ادبی تحریکوں اور رجحانات کا حصّہ، محولۂ بالا ص ۲۵۰
(۲۲) ڈاکٹر انور سدید، اردو ادب کی مختصر تاریخ، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۱ء) ص ۲۸۰

مآخذ

(۱) اعظمی، منظر، ڈاکٹر، اردو ادب کے ارتقا میں ادبی تحریکوں اور رجحانات کا حصّہ، لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۹۶ء
(۲) امجد، ساجد، ڈاکٹر، اردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء
(۳) پانی پتی، محمد اسمٰعیل، مولانا، (مرتب)، مقالاتِ سرسید، حصہ دہم، لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۹۳ء
(۴) خان، افتخار عالم، پروفیسر، سرسید اور جدیدیت، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۳ء
(۴) سدید، انور، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۱ء
(۵) شبلی نعمانی، مولانا، سرسید اور اردو لٹریچر، مشمولہ انتخابِ مضامینِ شبلی، نئی دہلی: مکتبۂ جامعہ، ۲۰۱۱ء
(۶) عبداللہ، سیّد، ڈاکٹر، سرسید اور ان کے نامور رفقا کی اردو نثر کا فنی و فکری جائزہ، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۶ء
(۷) عبدالرحیم، احمد، ڈاکٹر، اردو نثر کا دہلوی دبستان، حیدر آباد، شالیمار پبلی کیشنز، ۱۹۷۵ء